

روزہ، قرآن کے زیرسایہ

سید قطب شہیدؒ

وہ اسلامی معاشرہ، جو مدنیہ منورہ میں پہلی مرتبہ وجود میں آ رہا تھا، اس کے لیے کئی اجتماعی احکام سورۃ البقرہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ فرض عبادات کا ذکر ہے۔ دونوں قسم کے احکام، سورت میں ایک مجموعے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور دونوں 'تقویٰ اور خشیت الہی' سے مربوط ہیں۔ اجتماعی احکام ہوں یا عبادات کی تفصیلات، دونوں کے ذکر کے بعد تقویٰ کا ذکر کیساں طور پر اور مسلسل آیا ہے۔ نیز یہ دونوں قسم کے احکام آیت بڑے بعد، جو ایمانی فکر کے بنیادی اصولوں اور عملی رویے کے بنیادی احکام پر مشتمل ہے، بیان ہوئے ہیں۔

اسی سلسلے کی آیات ۱۸۷ تا ۱۸۸ میں مقتولین کے تھاص اور اس کے سلسلے کے احکام کا تذکرہ ہے۔ ان میں موت کے وقت وصیت کرنے کا بیان ہے، پھر فریضہ صوم اور دعا اور اعینکاف جیسی عبادات کا ذکر ہے، اور آخر میں مالی مقدمات کے سلسلے کے احکام ہیں۔

ان امور کا مسلسل ذکر اس دین کی جس حقیقت کی طرف ہمارے ذہن کو متوجہ کرتا ہے، وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دین ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس کے اجتماعی احکام، اس کے تشریعی اصول اور اس کی عبادات، سب کے سب اسلام کے عقیدے ہی سے پھوٹتے ہیں۔ سب اس کی فکر سے، جو اس عقیدے سے پیدا ہوتی ہے، نکلتے ہیں۔ اور سب اللہ سے تعلق کی ایک رشی سے بندھے ہوئے ہیں۔ ان سب کی غایت ایک ہے اور وہ ہے واحد اللہ کی عبادت، جس نے پیدا کیا، جو رزق دیتا ہے، اور جس نے انسانوں کو اپنی اس مملکت 'زمیں' میں اپنا 'خلیفہ' بنایا اور 'خلافت' کو

° فی ظلال القرآن، اول، ترجمہ: سید حامد علی

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۲۲ء

اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لا سکیں، اس کی عبادت بجا لے کر اسی کی طرف متوجہ ہوں، اور اپنی فکر، اپنے اجتماعی احکام اور اپنے قوانین، سب اسی سے حاصل کریں۔

تقویٰ وہ مضبوط رشیٰ ہے، جو انسانی نفوس کو ظلم و زیادتی سے روکے رکھتی ہے۔ ظلم و زیادتی قتل کے اقدام کی صورت میں ہو، ظلم یا قتل کا بدله لینے کی صورت میں۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ دلوں کا احساسِ ذمہ داری، اللہ کے غضب سے بچنے کی فکر اور اس کی رضا اور خوشی کی طلب ہے۔

تقویٰ کے بغیر نہ شریعت قائم ہو سکتی، نہ کوئی قانون کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ پھر اجتماعی قوانین اور ادارے، جو احساسِ ذمہ داری اور خوف اور اجر کے جذبات سے عاری ہوں، فرد کی قوت سے زیادہ قوت کے حامل نہیں ہو سکتے۔

روزے کا مقام اور مقصد

یہ ایک فطری بات ہے کہ جس امت پر اللہ کے نظام کو دنیا میں قائم کرنے، اور اس کے ذریعے نوع انسانی کی قیادت کرنے اور انسانوں کے سامنے حق کی گواہی دینے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ فرض کیا جائے، اس پر روزہ فرض ہو۔ روزے ہی سے انسان میں محکم ارادے اور پختہ عزم کا نشوونما ہوتا ہے۔ روزہ ہی وہ ذریعہ ہے، جہاں بندہ اپنے رب سے اطاعت و اختیار کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ پھر روزہ ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان تمام جسمانی تقاضوں کی طلب پر قابو پاتا اور تمام دشواریوں اور زحمتوں کو اس لیے اٹھاتا ہے، برداشت کرنے کی قوت حاصل کرتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو اور خدا کے یہاں سے اجر حاصل ہو۔

حقیقت میں یہ راہ جو گھاٹیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، جس کے چاروں جانب مرغوبات ولدانہ بکھرے پڑے ہیں، اور جس پر چلنے والوں کو بہکانے والی ہزار ہا صدائیں مسلسل آٹھتی رہتی ہیں۔ ان سے منہ موڑنے اور فطری تقاضوں میں نظم و ضبط پیدا کرنے اور نفوس انسانی کی تیاری کے مقصد کے لیے یہ عناصر لازمی و نائزیر ہیں۔

روزے کے وہ فوائد اس کے علاوہ ہیں، جو تجربے اور مشاہدے سے جسمانی و ظائف میں مکشف ہوتے ہیں۔ میراذگانی میلان یہ ہے کہ عبادت کے سلسلے میں خدائی ہدایات کو حسی و مادی فوائد سے وابستہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان ہدایات میں خدا کی اصل حکمت یہ ہے کہ انسانی وجود کو

زمین میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے، اور آخری زندگی میں اس کے لیے جو کمال مقدر ہے، اس کے لیے اس کی تربیت کی جائے۔

اس کے باوجود میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ان فرائض اور ان خدائی تعلیمات کے جو فوائد مشاہدے میں آئے ہیں، یا جن کا اکشاف علم انسانی سے ہوا ہے، ان کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے جو فرائض متعین کرتا ہے اور جن امور کی وہ حدایت دیتا ہے، ان سب میں اس انسانی وجود کے لیے خدائی تدبیر کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اور ان میں یہ فوائد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم خدائی احکام کی حکمت کو انسانی علم کے ان اکشافات سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ اس انسانی علم کا دائرہ بہر حال محدود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت، جس کے تحت خالق انسانی وجود کی تربیت کر رہا ہے یا جس کے تحت اس کائنات کو پروان چڑھا رہا ہے۔۔۔ احاطہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ روزے کے احکام کی ابتدا ”اے ایمان والو!“ کی اس نداسے کرتا ہے جو اہل ایمان کو محبوب ہے۔ اس نداسے وہ انھیں ان کی اصل حقیقت یاد دلاتا اور انھیں بتاتا ہے کہ

روزہ ایک قدیمی فریضہ ہے جو ہر خدائی شریعت میں اہل ایمان پر فرض رہا ہے:

**لَيَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أُنْتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا أُنْتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَقَّهُونَ** (القراء: ۲۵) ۱۸۳:۲ (القراء: ۲۵) اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس

طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ تم خدا ترس بنو گے۔

اس آیت سے روزے کی عظیم غرض و غایت سامنے آتی ہے۔ یہ تقویٰ ہے! تقویٰ دل میں زندہ و بیدار ہو تو مون روزہ کے فریضے کو اللہ کی فرماد برداری کے جذبے کے تحت، اس کی رضا جوئی کے لیے ادا کرتا ہے۔ تقویٰ ہی دلوں کا گہبان ہے۔ وہی معصیت سے روزے کو خراب کرنے سے انسان کو بچاتا ہے، خواہ یہ دل میں گزرنے والا خیال ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کے اوّلین مخاطب جانتے تھے کہ اللہ کے یہاں تقویٰ کا کیا مقام ہے اور اس کی میزان میں تقویٰ کا کیا وزن۔ یہی ان کی منزل مقصود تھی، جس کی طرف ان کی رو جیں لپکتی تھیں۔ روزہ اس کے حصول کا ذریعہ اور اس تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ قرآن اس تقویٰ کو منزل مقصود کی حیثیت سے ان کے سامنے رکھتا ہے تاکہ روزے کے ذریعے سے وہ اس منزل کا رُخ کر سکیں: **لَعَلَّكُمْ تَتَفَقَّهُونَ**۔

قرآن، اس کے بعد نفسِ انسانی کو روزہ سے منوس کرنے کے لیے، واضح کرتا ہے کہ روزے ہمیشہ کے لیے اور عمر بھر نہیں رکھتے ہیں، صرف چند دن کے روزے ہیں۔ اس کے ساتھ بیاروں کو۔۔۔ جب تک وہ صحبت یا ب نہ ہو جائیں اور مسافروں کو جب تک وہ مقیم نہ ہو جائیں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، تاکہ وہ دشواری میں نہ پڑیں۔

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ سفر اور مرض کے علاوہ ہر حال میں روزہ رکھیں، خواہ انھیں تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑے:

وَأَنْ تَصُوُّرُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿البقرہ: ۱۸۳﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم علم (فہم) رکھتے ہو۔

روزہ ہر حالت میں سرتاسر خیر ہے۔ روزہ کے سلسلے میں جوبات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ روزہ ارادے کی تربیت، قوت برداشت کی تقویت اور راحت و آرام کے مقابلے میں اللہ کی عبادت کو ترجیح دینے کے لیے ہے، اور یہ سب امور اسلامی تربیت میں مطلوب ہیں۔ غیر مریض کے لیے روزے میں صحبت کے پہلو سے جو فائدہ ہیں، وہ مزید برآں ہیں۔ اس لیے خواہ روزہ دار کو تکلیف اور مشقت محسوس ہو، روزہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔

رمضان کی اہمیت

اللہ تعالیٰ تندرست اور مقیم کے لیے اس فریضے کی ادائیگی کو ایک اور پہلو سے بھی مرغوب و محبوب بناتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ اس مہینے کے روزے جس میں قرآن نازل ہوا۔ وہ قرآن جو اس امت کی دائیٰ وابدی کتاب ہدایت ہے، جو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائی۔ جس نے اسے یہ وجود عطا کیا، جس نے اس کے خوف و هراس کو امن و امان سے بدل دیا۔ جس نے اسے زمین میں غلبہ و اقتدار بخشنا اور جس نے اسے وہ تمام بنیادی عناصر عطا کیے، جن سے وہ ایک امت بنی۔ قرآن سے پہلے وہ کچھ بھی نہ تھی اور ان بنیادی عناصر کے بغیر وہ ایک امت نہیں رہتی۔ نہ زمین میں اس کا کوئی مقام رہتا اور نہ آسمان میں اس کا کوئی ذکر۔ قرآن کی اس نعمت کا کم سے کم شکریہ ہے کہ ہم اس مہینے کے روزے رکھیں جس میں قرآن نازل ہو:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلْعَالَمِينَ وَبَيِّنَاتٍ قِنَ الْهُدَى
وَالْفُرْقَانِ، فَمَنْ شَهَدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَأَيْضًا مُهِمَّةٌ (البقرہ: ۱۸۵:۲) رمضان کا مہینہ
وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ انسانوں کے لیے سرتاسر ہدایت۔ جس میں راہ راست
کے واضح دلائل اور (حق و باطل کے درمیان) فرق و امتیاز کرنے والی تعلیمات ہیں۔
تو تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے وہ اس (مہینے) کے روزے رکھے۔

دین آسان ہے!

قرآن اس فرضیہ کی ادائیگی کا شوق دلاتے ہوئے اس حکم کے دینے اور خصوصیں عطا کرنے،
میں اللہ کی یہ رحمت بیان کرتا ہے:

يُرِيَدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُمْنَرَ وَلَا يُرِيَدُ بِكُمُ الْعُنْتَرَ (البقرہ: ۱۸۵:۲) اللہ تمہارے
لیے سہولت چاہتا ہے، تمھیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

اس عقیدے اور اس دین کے تمام احکام کے سلسلے کا یہ ایک عظیم قاعدہ ہے کہ یہ سب
احکام آسان ہیں، ان میں کوئی دشواری نہیں۔ ہر باذوق دل یہ بخوبی محسوس کرتا ہے کہ پوری زندگی
میں یہ احکام سہولت اور نرمی کے حامل ہیں۔ یہی نہیں، یہ احکام مسلمان فرد پر سہولت اور فراخی کی
چھاپ لگادیتے ہیں، جس میں کوئی تکلف اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔ نرمی اور فراخی کی اس خصوصیت کے
ساتھ تمام ذمہ داریاں، تمام فرائض اور سنجیدہ زندگی کی تمام سرگرمیاں حسن و خوبی کے ساتھ اس طرح
ادا ہوتی ہیں گویا کہ پانی اپنی گزرگاہ میں آسانی کے ساتھ بہرہ رہا ہے، یا ایک درخت ہے جو اور پر کی
جانب بڑھتا اور نشوونما پاتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ طہرانیت، اعتماد اور اللہ کی رضا و
خوشنودی کی نعمتیں ہوتا ہے۔ اس میں بندے کو اللہ کی رحمت کا مسلسل شعور رہتا ہے کہ اللہ اپنے
مومن بندوں کے لیے سہولت پیدا کرتا ہے، انھیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

روزہ پر شکر

روزہ درحقیقت ایک ایسی نعمت بھی ہے جس پر خدا کی بڑائی کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے:
وَلَتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَى لَكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرہ: ۱۸۵:۲) اور تم اللہ کی

کبریائی کا اعتراف کرو اس بات پر کہ اس نے تمھیں ہدایت سے نوازا۔ اور اُمید ہے کہ تم (اس کا) شکر ادا کرو گے۔

اس لیے کہ روزہ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ اہل ایمان اس ہدایت کی قدر و قیمت کا احساس کریں، جو اللہ نے انھیں عطا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزے کے زمانے میں اہل ایمان، ہر زمانے سے زیادہ اس ہدایت کی قدر و قیمت کو اپنے نفس میں محسوس کرتے ہیں۔ روزے کی حالت میں ان کے دل خدا کی نافرمانی سے اور ان کے اعضاء و جوارح گناہ کے ارتکاب سے روکے ہوتے ہیں۔ انھیں خدا کی ہدایت کا اس طرح زندہ احساس ہوتا ہے گویا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوڑ رہے ہوں۔ اور یہ سب اس لیے کہ وہ اس ہدایت پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف اور اس عظیم نعمت کی عطا پر اس کا شکر ادا کریں، اور روزے کے ذریعے ان کے دل خدا کی طرف رجوع ہوں۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ روزہ، جو ظاہر جسم اور نفس انسانی پر شاق ہے، اللہ کی عظیم نعمت ہے، اور اس کی غرض اور مقصد مونی کی تربیت ہے، اور اُمت مسلمہ کو اس روں کے ادا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے، جسے ادا کرنے کے لیے وہ برپا کی گئی ہے۔ اس روں کی ادائیگی کی حفاظت تقویٰ، اللہ کے نگران و نگہبان ہونے کے شعور اور ضمیر کے احساس ذمہ داری سے ہوتی ہے۔

روزے کا عظیم اجر—قرب الہی

قبل اس کے کہ روزے کے اوقات، اور روزے میں مختلف چیزوں سے متعلق ہونے اور ان سے باز رہنے کے تفصیلی احکام بیان ہوں، ہم درمیان میں ایک بڑی منفرد آیت پاتے ہیں۔ یہ آیت دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اس آیت میں ہم روزے کی مشقت کا پورا اور اللہ کی دعوت پر لیک کہنے کا پورا اجر پاتے ہیں۔ یہ جزا کیا ہے؟ اللہ کا قرب، اور اس کا ہماری دُعاویں کو قبول فرمانا۔ اس حقیقت کی تصویر کشی ایسے صاف شفاف اور حکیمت الفاظ سے کی گئی ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَيَقُولُنِي قَرِيبٌ أُجِيبُهُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ لَا
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلَا يُؤْتُوا لِي عَلَيْهِمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ: ۱۸۶: ۲)

جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہی ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کا، جب وہ مجھے پکارتا ہے، جواب دیتا ہوں۔ تو انھیں چاہیے کہ وہ میری پکار پر

لبیک کہیں اور مجھ پر یقین رکھیں۔ اُمید ہے وہ راہ راست اختیار کر سکیں گے۔

”میں قریب ہی ہوں! میں پکارنے والے کی پکار کا، جب وہ مجھے پکارتا ہے، جواب دیتا ہوں“ — کتنی نرمی، کتنی شفقت، کتنی محبت، کتنا انس اور کتنا تaur ہے، ان الفاظ میں۔ اس محبت، اس شفقت اور اس قرب کے مقابلے میں روزے کی مشقت کی کیا حیثیت ہے؟ آیت کے ایک ایک لفظ سے یہ محبوب طراوت اور ٹھنڈک ٹکپی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ میرے بندے نے کہا اور سوال کا جواب براہ راست خود دیا۔ یہ نہیں فرمایا: ”ان سے کہو، میں قریب ہوں“۔ اس کے بجائے اللہ کی ذات گرامی نے سوال کرنے پر اپنے بندوں کو خود ہی جواب عطا فرمایا کہ ”میں قریب ہوں“۔ اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ ”میں دعا کو سنتا ہوں“۔ اس کے بجائے قولیت دعا کا اعلان کیا کہ ”میں دعا کرنے والے کی دعا کو، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے، قبول کرتا ہوں“۔

یہ عظیم الشان آیت مومن کے قلب میں شیریں طراوت، انس و محبت، رضا و طمانتی اور اعتقاد و یقین کو انڈیل دیتی ہے، اور اس کے نتیجے میں مومن کی زندگی اطمینان و سکون اور محبت و قربت سے لبریز ہوتی اور مومن کو ایک پر امن جائے پناہ اور پر سکون جائے قرار نصیب کرتی ہے۔

اس محبت، اس پر غلوص قرب اور خدا کی طرف سے قولیت دعا کی اس بشارت کے ساتے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متوجہ فرماتا ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس پر یقین رکھیں۔ اُمید ہے کہ یہ روشنی ان کی ہدایت و رشد و ہدایت خیر و صلاح کا ذریعہ بنے گی۔

اللہ کی دعوت پر لبیک کہنے اور اس پر ایمان و یقین رکھنے کا آخری شہرہ بندوں ہی کے لیے ہے۔ یہ شہرہ ہے رشد و ہدایت اور خیر و صلاح کا۔ ورنہ اللہ تو اہلی جہاں اور ان کی عبادت و اطاعت سے بے نیاز ہے۔

اللہ پر ایمان و یقین اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے سے جو رشد پیدا ہوتی ہے، رشد بس وہی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے نوع انسانی کے لیے جو خدائی نظام پسند کیا ہے وہ واحد صحیح، راست اور معتدل نظام ہے۔ اس کے سوا جو پکھ ہے وہ جاہلیت و حمافتوں ہے، جسے نہ کوئی سمجھ دار اور راست رو انسان پسند کر سکتا ہے اور نہ وہ رشد و ہدایت کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اللہ کے یہاں سے

بندوں کی دُعاؤں کی قبولیت کی امید اسی وقت کی جاسکتی ہے، جب کہ بندے اس کی دعوت پر لبیک کہیں، اور راہ راست پر گامزن ہوں۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے دُعا کریں، اور اس کی قبولیت کے سلسلے میں جلد بازی نہ کریں کیونکہ دُعا اپنے وقت پر ہی قبول ہوگی، جسے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت متعین فرماتا ہے۔

دُعا کی قبولیت

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت سلمانؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے پھیلائے، اور اس سے کسی بھلی چیز کا سوال کرے، اور وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔
ترمذی اور مسنند احمد میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
زمین کی پشت پر رہنے والا جو مسلمان بھی اللہ عزوجل سے کوئی دُعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ماگی ہوئی چیز دے دیتا ہے، یا اس جیسی کسی مصیبت کو آنے سے روک دیتا ہے، جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحم کی دُعا نہ کرے۔

صحيح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بندے کی دُعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحم کی دُعا نہ کرے، جب تک وہ جلد بازی نہ کرے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا: دُعا کرنے والا کہے کہ میں نے دُعا کی، اور پھر کی، لیکن مجھے نظر نہیں آ رہا کہ میری دُعا قبول ہوگی۔ پھر وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور دُعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

اور روزہ دار کی دُعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابو داود طیالیؓ نے اپنی مسنند میں اسناد کے ساتھ روایت کیا:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ انھوں نے فرمایا: روزہ دار کے افطار کے وقت اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔
چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ جب روزہ افطار کرتے تو اپنے اہل و عیال کو بلا تے اور دُعا کرتے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عرّف سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
روزے دار کی دُعا، جو وہ افطار کے وقت کرے، رُونبیں ہوتی۔
اور احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین اشخاص ہیں، جن کی دُعا رُونبیں ہوتی۔ عادل فرمائیں روا، روزہ دار، جب کہ وہ افطار کرے، اور مظلوم کی دُعا جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بادلوں سے اُپر اٹھائے گا۔
اس کی دُعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”میری عزّت و جلال کی قسم! میں تیری ضرور مد کروں گا، خواہ کچھ مدت بعد ہو۔“
اسی لیے روزے کے بیان کے درمیان میں دُعا کا ذکر آیا ہے۔

حرام و ناحق مال کھانے کی ممانعت

روزہ رکھنے اور روزے کے دوران کھانے پینے سے باز رہنے کے حکم کے زیر سایہ ایک اور قسم کے کھانے کی ممانعت آتی ہے۔ اور وہ ہے ”لوگوں کے مال ناحق طور پر کھانا۔“ اس کی شکل یہ ہے کہ عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے، اور قرائن و حالات اور دستاویزوں کے سلسلے میں حاکم کو مغالطہ میں بیٹلا کیا جائے، پھر چرب زبانی اور جحت بازی سے اسے دھوکا دیا جائے، تاکہ وہ ان حالات کے مطابق فیصلہ کر دے جو اس کے سامنے آئے ہیں، حالانکہ حقیقت واقعی اس کے خلاف ہے۔ یہ ممانعت حدود اللہ کے ذکر اور اللہ سے تقویٰ کی دعوت کے بعد کی گئی، تاکہ خشیت الہی کا، جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب سے انسان کو رُوکتی ہے، سایہ اور اثر برقرار رہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُفَّارِ بِيَنْكُفُّ بِالْبَاطِلِ وَثَدُنُوا إِلَيْهَا إِنَّ الْحَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ أَكْلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَآنُّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿البقرہ: ۲۱۸﴾ (البقرہ: ۲۱۸) اور تم لوگ آپس میں اپنے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، نہ نجیس حاکم کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ حقیقی کر کے ہڑپ کرو، جانتے بوجھتے۔

اس آیت کی تغیر کرتے ہوئے ابن کثیرؓ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ایک ایسے شخص کے سلسلے میں ہے جس کے پاس کسی کا مال ہو مگر اس ضمن میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو، پھر وہ انکار کر دے کہ

اس کے پاس کسی کامال ہے۔ اور وہ حکام کے پاس جا کر مقدمہ بازی کرے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس پر دوسرے کا حق ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ دوسرے کی حق تلفی کر رہا ہے، اور حرام کھارہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں ایک انسان ہوں۔ میرے پاس کوئی شخص مقدمہ لے کر آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے وہ شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز ہوا وہ میں (اس کے دلائل سے متاثر ہو کر) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ تو اگر میں (غلطی سے) کسی مسلمان کا حق دوسرے شخص کو دے دوں، تو یہ اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک نکڑا ہے، خواہ وہ اسے اٹھا کر لے جائے یا اسے چھوڑ دے۔“

اس طرح وہ انہیں ان کے اس علم کے حوالے کر دیتا ہے، جو وہ اپنے دعوے کی حقیقت و اصلاحیت کے بارے میں رکھتے ہیں، کیونکہ حاکم کے فیصلے سے نہ حرام حلال ہوتا ہے اور نہ حلال حرام۔ حاکم کے لیے توازن ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے، اور گناہ اس شخص پر ہو گا جو حیلے بہانے کر کے غلط فیصلہ کرے۔

اس طرح مقدمہ اور مال و دولت کا معاملہ بھی اللہ کے تقویٰ سے متعلق ہو جاتا ہے، جیسا کہ قصاص، وصیت اور روزہ بھی تقویٰ سے متعلق و مربوط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امور کامل خدائی نظام کے جسم کے مختلف مربوط اعضاء و اجزاء ہیں اور یہ سب ایک ہی رشتے ’تقویٰ‘ سے مربوط ہیں۔ اس طرح خدائی نظام ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس کے اجزاء کو متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے کسی ایک جزو کو ترک کر دینا اور دوسرے جزو پر عمل کرنا، کتابِ اللہ کے ایک حصے پر ایمان اور دوسرے حصے کے انکار کے مترادف ہے اور انجام کے لحاظ سے یہ کفر ہی ہے۔
